OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

مولانا اصلاحی صاحب کے تصور نظم قرآن پر ہونے والی تنقیدات کا تجزیاتی مطالعہ

Analytical Study of Critique on Islahi's Concept of Coherence in Quran

Hassan Ijaz
MPhil scholar, Islamic Studies, University of Education, Lahore
Tooba Saleem
MPhil scholar, Islamic Studies, University of Education, Lahore

Abstract

This study undertakes a comprehensive analysis of the critiques leveled against Islahi's concept of coherence (nazm) in the Quran. Islahi's concept posits that the Quranic chapters are coherent units, organized according to a specific thematic and structural logic. Through a critical review of existing literature, this research identifies and evaluates the key criticisms raised against Islahi's concept, including issues related to textual interpretation, historical context, and literary analysis. The study aims to contribute to a deeper understanding of the complexities surrounding Islahi's concept and its implications for Quranic exegesis. By examining the critiques of Islahi's concept, this research seeks to inform and advance Quranic scholarship, ultimately enriching our understanding of the Quran's structure, meaning, and significance.

Key words: Islahi's concept of nazm, Quranic Coherence, Single Interpretation, Contextual study, Thematic Understanding

CC BY

تمہید

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کی حیثیت سے ابتدا ہی سے مسلمانوں کے ہاں فکر و نظر کا موضوع رہا ہے۔ اس کی تفہیم و تبین کے لیے اہل علم نے چند بنیادی اصول متعین کیے ہیں جنہیں اصطلاح میں اصول تفسیر کہا جاتا ہے۔ یہ اصول تفسیر در حقیقت فہم قرآن کے ذرائع ہیں۔ یوں تو فہم قرآن کے متعدد وسائل و ذرائع ہیں مگر ان سے میں سے سب سے محکم اور بنیادی ذریعہ خود قرآن مجید ہے۔ اہل علم اسے تفسیر القرآن بالقرآن سے تعبیر کرتے ہیں۔ فہم قرآن کے سلسلے میں خود قرآن مجید پر غور کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ قرآن مجید منفرد آیات کا مجموعہ نہیں ہے جنہیں ایک ساتھ جمع کر دیا گیا ہو بلکہ یہ ایک منظم و مربوط کتاب ہے۔ اس کی آیات کو نہایت حکیمانہ طریقے پر مرتب کیا گیا ہے۔ یہ کلام الٰہی ہے اور کوئی بھی کلام اسی وقت کلام کہلایا جاسکتا ہے جب اس کے اندر مناسبت و موافقت اور نظم و ترتیب پائی جائے۔ اس لحاظ سے دیکھیے تو نظم قرآن فہم قرآن کا ایک نہایت اہم ذریعہ قرار پاتا ہے۔ نظم قرآن کے ذریعے قرآن کی تفہیم کے آثار اگرچہ متقدمین کے ہاں بھی پائے جاتے ہیں مگر دور جدید کے جلیل القدر عالم مولانا حمید الدین فراہی نے اسے ایک باقاعدہ نظام کے اندر ڈھالا ہے اور ان کے بعد ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے تصور نظم کی بنیاد پر تدبر قرآن کے نام سے ایک شاہکار تفسیر مرتب کی ہے۔ زیر نظر تحریر میں ہم مولانا اصلاحی صاحب کے نظریہ نظم قرآن کا مطالعہ کریں گے اور اس پر ہونے والی تنقیدات کا علمی و تحقیقی جائزہ لیں گے۔

نظم کا لغوی مفہوم

لسان العرب کے مصنف ابن منظور نظم کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:۔

النظم التأليف ... نظمت اللولو أي جمعته في السلك ، والتنظيم مثله ... وكل شيءٍ قرنته باخَرَ أَوْ ضَمَمْتَ بعضه إلى بعض فَقَدْ نَظَمته . والنظم : المنظوم ، وصف بالمصدر النظامُ: مَا نَظَمْتَ فيه الشيء عن خَيْطٍ وَغَيْرِه نظام . ونظام كل أمرٍ: ملاكه والجمع أنظمة وأناظيم ونظم والنظام . يُنظم به اللولو وَكُلُّ خيطٍ ينظم به لولو أو غيره فهو نظام وجمعه نظم والنظام الهدية والسيرة وليس بأمرهم نظام أى ليس له هدي ولا مُتَعَلَّق ولا اسْتِقَامَة۔[1]

نظم کے معنی پرونا ہیں۔ اس طرح کہا جاتا ہے کہ نظمت اللولو یعنی میں نے موتی کو دھاگے میں جمع کیا اور اس طرح تنظیم کا لفظ بھی مستعمل ہے۔ ہر وہ چیز جس کو آپ کسی اور چیز کے ساتھ جوڑ دیں یا اس کے کچھ حصے کو کچھ حصے کے ساتھ ملا دیں تو اسے نظم کہا جائے گا۔ نظم در اصل منظوم ہے جس کو مصدر سے بیان کیا گیا ہے۔ نظام دھاگہ وغیرہ یا کسی میں کسی چیز کو جوڑنا نظام کہلاتا ہے، ہر معاملے کا نظام اس کا کل سرمایہ ہے جس کی جمع انظمۃ، اَناظیم و نظم آتی ہے اسی طرح اس دھاگے کو بھی کہتے ہیں جس میں موتی وغیرہ جوڑے جائیں ہر وہ دھاگہ جس میں موتی وغیرہ پروئے جائیں اسے نظام کہا جائے گا۔ اسی طرح نظام کے معنی طریق کار اور عادت کے بھی آتے ہیں اور "لیس لأمر هم نظام" اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی چیز میں کوئی طریقہ کوئی تعلق اور درستی نہ ہو۔

نظم قرآن کا معنی و مفہوم

نظم قرآن سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید منفرد آیات یا غیر مربوط بیانات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ ایک مربوط اور منظم کتاب ہے۔ اس کی آیات کو نہایت حکیمانہ طریقے سے مرتب کیا گیا ہے۔ جس طرح آیات آپس میں باہم مربوط ہیں اسی طرح سورتوں کے درمیان بھی مناسبت و موافقت پائی جاتی ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی نظم قرآن کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

مرادنا بالنظام أن تكون السورة كاملاً واحداً ثم تكون ذات مناسبة بالسورة السابقة واللاحقة أو بالتي قبلها وبعدها على بعد ما، كما قدمنا في نظم الآيات بعضها مع بعض، فكما أن الآيات ربما تكون معترضة وعلى هذا الأصل ترى القرآن كله كلاماً واحداً ذا مناسبة وترتيب في أجزائه من الأول الى الآخر[2]

نظام سے ہماری مراد یہ ہے کہ پوری سورۃ ایک مکمل وحدت کی صورت میں ظاہر ہو، اور وہ سورۃ اپنے ماقبل اور مابعد کی سورتوں سے مناسبت رکھتی ہو، جس طرح ہم آیات کے باہم نظم میں پیش کر چکے ہیں۔ جس طرح بعض آیات بطور جملہ معترضہ آجاتی ہیں اسی طرح بعض سورتیں بھی اس نوعیت کی حامل ہوتی ہیں۔ اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو پورا قرآن ایک وحدت نظر آئے گا۔ جس کے جملہ اجزاء میں سے شروع سے آخر تک ایک خاص طرح کی مناسبت اور ترتیب پائی جاتی ہے۔

اسی نکتہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

اعلم أن مرادنا من النظام أن تكون لكل سورة صورة مشخصة فإن معاني الكلام ارتبط بعضها ببعض وجرت إلى عمود واحد وكان الكلام ذا وحدانية فحينئذ لا يكون إلا وله صورة مشخصة فإذا نظرت إلى الكلام من هذه الجهة رأيت ما فيه من الجمال والإتقان والوضاحة[3]

یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ نظام سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہر سورۃ کی ایک مخصوص ہیئت ہوتی ہے کیونکہ جب کلام کے معانی باہم دگر مربوط ہوں گے، کسی عمود کے گرد گردش کریں گے اور کلام میں یکجہتی ہوگی تو لازمی طور پر اس کی ایک مخصوص ہیئت ابھر کر سامنے آئے گی۔ اس لیے جب کلام پر اس حیثیت سے غور کرو گے تو اس کا جمال، پختگی اور برجستگی ابھر کر سامنے آجائے گی۔

مولانا اصلاحی کا تصور نظم قرآن

صاحبِ تدبر قرآن مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نظم قرآن کو قرآن مجید کی تفسیر کے قطعی اصولوں میں شمار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ قرآن فہمی کے داخلی وسائل و ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ اصلاحی صاحب اپنے تصور نظم قرآن کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"قرآن مجید کے سمجھنے میں دوسری چیز جس کا اہتمام ناگزیر ہے اور جو صحیح تاویل کے تعین میں ایک فیصلہ کن عامل ہے وہ کلام کا نظم ہے۔ نظم کا مطلب یہ ہے کہ ہر سورہ کا ایک خاص عمود یا موضوع ہوتا ہے اور سورہ کی تمام آیتیں نہایت حکیمانہ مناسبت اور ترتیب کے ساتھ اس موضوع سے متعلق ہوتی ہیں۔ سورہ کے بار بار مطالعہ سے جب سورہ کا عمود واضح ہو جاتا ہے اور سورہ کی آیات کا تعلق بھی اس عمود سے سامنے آجاتا ہے تو پوری سورہ متفرق آیات کا ایک مجموعہ ہونے کے بجائے ایک نہایت حسین وحدت بن جاتی ہے"۔[4] قرآن فہمی میں نظم قرآن کی اہمیت کو مزید ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں:

" قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے اس نظم کو سمجھنا اولین چیز ہے۔ جب تک یہ نظم سمجھ میں نہ آئے اس وقت تک نہ تو کسی سورہ کی اصلی قدر و قیمت اور اس کی اصل حکمت ہی واضح ہوتی ہے اور نہ اس سورہ کی متفرق آیات کی صحیح تاویل ہی متعین ہوتی ہے"۔

اسی طرح سورتوں کے اندر پائے جانے والے نظم کے علاوہ اصلاحی صاحب قرآن کے اندر بحیثیت مجموعی پائے جانے والے نظام کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کا تعلق ہر سورہ کے اندرونی نظم سے ہے۔ یعنی ہر سورہ ایک مستقل وحدت ہے، اس کا ایک علیحدہ عنوان و موضوع یعنی عمود ہے اور اس سورہ کے تمام اجزائے کلام اس عنوان و موضوع سے نہایت گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ اب ایک قدم آگے بڑھ کر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن میں بحیثیت مجموعی بھی ایک مخصوص نظام ہے جس کا ایک پہلو تو بالکل ظاہر ہے جو ہر شخص کو نظر آسکتا ہے لیکن ایک پہلو مخفی ہے جو غور و تدبر سے سامنے آتا ہے۔[5]

قرآن مجید میں سورتوں کے جوڑا جوڑا ہونے اور ان کے سات ابواب کی صورت اختیار کر لینے سے متعلق اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:۔

"اگر آپ سورتوں کی اس ترتیب پر ایک نظر ڈالیں، جس ترتیب سے وہ مصحف میں ہیں تو ایک چیز آپ کو بالکل صاف نظر آئے گی کہ قرآن میں مکی اور مدنی سورتوں کے ملے جلے سات گروپ بن گئے ہیں جن میں سے ہر گروپ ایک یا ایک سے زائد مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زیادہ مدنی سورتوں پر تمام ہوتا ہے۔ ہر گروپ میں پہلے مکی سورتیں ہیں۔ ان کے بعد مدنی سورتیں ہیں...(الخ)"

"جب میرے سامنے قرآن عظیم کے یہ ساتوں گروپ آتے ہیں اور ساتھ ہی سورتوں کے جوڑے جوڑے ہونے پر نظر پڑتی ہے تو بے ساختہ میرا ذہن ولقد اتيْنَاكَ سَبْعَ مِنَ المَثَانى وَالْقُرآن العظيم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے لیکن اس آیت سے متعلق چونکہ بہت سی باتیں بحث طلب ہیں اس وجہ سے اس پر مفصل گفتگو اپنے مقام ہی پر موزوں رہے گی"۔[6]

اصلاحی صاحب کے تصور نظم قرآن پر تنقیدات

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کے تصور نظم پر مختلف اہل علم نے تنقیدات پیش کی ہیں۔ ذیل میں ہم ان میں سے چند نمایاں اور اہم تنقیدات کا علمی جائزہ لیں گے۔

ڈاکٹر عثمان احمد صاحب کی تنقید

ڈاکٹر عثمان احمد صاحب اپنی کتاب مباحث علوم القرآن میں" فراہی مکتب فکر اور عمود سورت کا نظریہ "کے زیر عنوان رقم طراز ہیں۔

ا۔ پہلا اعتراض

مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی کے بقول اُمت کے تفسیری اختلافات نظم قرآن کو مد نظر نہ رکھنے کے باعث ہیں۔ مولانا فراہی لکھتے ہیں:۔

تاویل کا بیشتر اختلاف نتیجہ ہے اس بات کا کہ لوگوں نے آیات کے اندر نظم کا لحاظ نہیں رکھا ہے۔ اگر نظم کلام "ظاہر ہوتا اور سورہ کا مرکزی مضمون واضح طور پر سب کے سامنے ہوتا تو تاویل میں کسی قسم کا اختلاف نہ

ہوتا بلکہ سب ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتے" ۔مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:۔ لیکن قرآن کے معاملے میں مصیبت یہ ہے کہ لوگ اس کے اندر کسی نظام کے قائل ہی نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے ہاں جو اختلاف بھی پیدا ہوا اس نے اپنا مستقل علم گاڑ دیا۔ ہماری فقہ کے بہت سے اختلافات صرف بات کو سیاق اور نظم میں نہ دیکھنے سے پیدا ہوئے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر نظم قرآن کا علم حاصل ہو جانے کے بعد اختلافات کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں تو صحابہ کرام کے مابین تاویل آیات اور مسائل فقہ میں اختلاف کیوں واقع ہوا جب کہ مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی کے بقول صحابہ کرام نظم قرآن سے بخوبی واقف تھے۔[7]

اعتراض کا جائزہ

نظم قرآن سے بخوبی واقف ہونے اور اسے برتنے کا لازمی مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے بعد تاویل آیات کے باب میں سب لوگ لازمی طور پر ایک ہی نتیجے تک پہنچ جائیں۔ نظم قرآن آیات کی تاویل میں اختلافات کی راہ مسدود کرنے کے لیے فقط ذریعے اور واسطے کا کام دیتا ہے۔ فہم قرآن کے باب میں اختلافات کی راہیں تو تفسیر القرآن بالقرآن جیسے قطعی اصول کو برتنے سے بھی مسدود نہیں ہوسکتیں کجا یہ کہ نظم قرآن کو محض اس بنیاد پر ہدف تنقید بناتے ہوئے اس کی اہمیت کا انکار کیا جائے۔ اختلاف تو کسی واضح سے واضح چیز کے سمجھنے کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے۔ اختلافات درحقیقت قلتِ علم اور قلتِ تدبر کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ اختلافات کو بنیاد بنا کر کسی واضح حقیقت یا کسی قطعی اصول کو مشکوک قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جہاں تک نظم قرآن کے ذریعے اختلافات کا فیصلے کرنے کی بات ہے تو یہ حقیقت ہے کہ نظم قرآن کم از کم اس شخص کے لیے جو اسے ملحوظ رکھتے ہوئے آیات کی تاویل کرتا ہے آخری درجے میں فیصلہ کن ہوجاتا ہے جس کے بعد اس کے لیے اپنے دائرہ علم میں ایک سے زائد رائے کو اختیار کرنا ممکن نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے اندر ایک معنی یعنی مراد متکلم تک پہنچنے کے لیے تمام اسباب رکھ دیے ہیں۔ ان اسباب کو برتنے میں ہر صاحب علم اپنے دائرہ علم اور صلاحیت تدبر کی بنا پر نتائج تک پہنچتا ہے۔ لہذا نظم قرآن ہو یا پھر فہم قرآن کا کوئی بھی اصول ہر ایک کو ملحوظ رکھنے کے باوجود اختلافات کا وجود میں آنا عین فطری چیز ہے۔ اس لیے کہ قلت علم اور قلت تدبر کا امکان انسانی دائرے کے ہر علمی و نظریاتی کام میں پایا جاتا ہے۔

۲۔ دوسرا اعتراض

"اگر کسی سورت کا نظام اور عمود معلوم ہونے کے بعد متعدد تاویلات کی گنجائش نہیں رہتی تو عمود کا بھی ایک ہی ہونا لازمی ہے۔ جب کسی سورت کا ایک ہی عمود ہونا لازمی ہے تو مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی کے بیان کردہ عمودوں کے بعد قرآن کے نظم میں مزید تدبر و تفکر کی ضرورت باقی ہی نہیں رہتی کیونکہ انہوں نے ہر سورت کا عمود تو بیان کر دیا ہے اور ان کے بقول سورت کا عمود ایک ہی ہوتا ہے۔ اب اگر قرآن میں تدبر و فکر کر کے کوئی صاحب بصیرت مولانا اصلاحی کے ذکر کردہ عمود سے کوئی مختلف عمود بیان کرے گا تو تعدد عمود لازم آئے گا اور اس کے نتیجے میں تعدد تاویل کی گنجائش پیدا ہو گی۔ اور یہ بات بھی حقیقت ہے

کہ مولانا فراہی یا اصلاحی صاحب کے بیان کردہ عمود بہر حال اجتہادی ہیں نہ کہ منصوص۔ لہذا کسی بھی اجتہادی بصیرت رکھنے والے مفسر کے سامنے نظم قرآن میں تدبر و تفکر کے نتیجے میں کوئی اور عمود مبرہن ہو کر سامنے آ سکتا ہے"۔[8]

اعتراض کا جائزہ

سلسلہ نظم ہر اس شخص کو جو اسے ملحوظ رکھ کر آیات پر غور و فکر کرتا ہے حتمی طور پر ایک معنی کی طرف لے جاتا ہے۔ ایک معنی یا ایک تاویل تک پہنچنے کا عمل تو اکثر اوقات پہلے مرحلے میں ہی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ یعنی جملے کی تالیف اور سیاق و سباق ہی مراد متکلم تک پہنچا دیتے ہیں۔ سورہ کا عمود، اس کا مجموعی نظام یا اپنے پیش و عقب کی سورتوں سے سورہ کی مناسبت درحقیقت اضافی مراحل ہیں۔ جہاں تک سورہ کے ایک عمود ہونے کی بات ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سورہ کے اندر وہ داخلی قرائن و شواہد موجود ہوتے ہیں جن کی بنا پر کوئی صاحب علم سورہ کا عمود متعین کرتا ہے۔ انہی قرائن و شواہد کو سامنے رکھ کر کوئی دوسرا صاحب علم اگر سورہ پر غور کرے گا تو وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ سورہ ایک متعین عمود رکھتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام لوگ ایک ہی عمود بیان کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ عمود ہو یا سیاق و سباق، لفظ ہو یا جملے کی تالیف ان میں سے ہر ایک کے بارے میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اختلافات کا تعلق درحقیقت فکر و تدبر کی صلاحیت میں تفاوت اور متعلقہ فن میں ممارست بہم پہنچانے سے ہے۔ لہذا اتنی بات تو واضح ہے کہ سورہ کا ایک عمود ہوتا ہے البتہ مختلف اہل علم کے غور و تدبر کے نتیجے میں سورتوں کے بیان کردہ عمود میں جو تعدد پیدا ہوتا وہ حقیقی تعدد نہیں ہوتا بلکہ یہ ان کے علم، احوال اور صلاحیت فکر و تدبر میں تفاوت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

۳۔ تیسرا اعتراض

"جب متعدد عمودوں کا امکان مسلم ہے تو متعدد تاویلات کا امکان کیسے رد ہو گا۔ صاحب تفسیر جس بھی عمود کو دلائل و براہین سے منتخب کرے گا وہ اجتہادی ہی رہے گا منصوص تو نہیں ہو جائے گا اور اگر کسی بھی صاحب تدبر و تفکر کو اس نظام / عمود سے اختلاف کا حق ہے تو تاویل واحد کے دعوی کا اثبات کیسے ہو گا"۔[9]

اعتراض کا جائزہ

تفسیر قرآن یا تاویل آیات کے باب میں جس چیز کو ہم منصوص کہہ رہے ہوتے ہیں وہ بھی اپنی حقیقت میں اجتہادی ہوتی ہے۔ اہل علم آیات کو سمجھنے کے بعد ہی کسی مسئلے کو منصوص یا غیر منصوص قرار دیتے ہیں۔ ہر تفسیری کام صاحب تفسیر کا اجتہاد ہی ہوتا ہے۔ ماثور تفاسیر میں بھی صاحب تفسیر آثار کو نقل کر دینے کے بعد بذریعہ اجتہاد اپنی ترجیح بیان کرتا ہے۔ ایک آیت کے تحت مختلف و متضاد آثار میں تطبیق و توفیق پیدا کرنے کا عمل بھی اجتہاد ہی سے ہوتا ہے۔ جہاں تک تاویل واحد کی بات ہے تو اس کا مطلب محض یہ ہوتا ہے قرآن نے ایک تاویل تک پہنچنے کے تمام اسباب مہیا کر دیے ہیں۔ جو ان اسباب کو جتنا استعمال میں لائے گا اسی قدر وہ ایک معنی کے قریب ہوتا چلا جائے گا۔ اس ضمن میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ عمود جو بھی ہو ایک بار جب متعین ہو جائے تو صاحب تفسیر کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہوتا کہ وہ اس عمود کی روشنی میں ایک ہی مراد تک پہنچے۔ ایک عمود کو متعین کر لینے کے بعد اس بات کا امکان کلی طور پر ختم ہو جاتا ہے کہ کوئی مفسر کسی آیت کے بیک وقت دس معنی مراد لے۔ مولانا فراہی نے اس بات کو یوں بیان کیا تھا القرآن لا یحتمل الا تاویلاً واحداً۔

۴۔ چوتھا اعتراض

"ہر دعوی دلیل یا ثبوت کا محتاج ہوتا ہے۔ اگر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ فقہی اختلافات عمود / نظم کلام کو پیش نظر نہ رکھنے کے باعث ہیں تو اس کے ثبوت یا دلیل کے طور پر یہ چاہیے تھا کہ اصول فقہ اور فقہ کا پورا مرتب نظام عمودوں کی روشنی میں پیش کیا جاتا یا کم از کم متعدد امثلہ سے قرآن سے مستنبط، مختلف فیہ مسائل میں عمود کی روشنی میں فیصلہ کرکے بتایا جاتا کہ ان مسائل میں نظم کلام اور عمود سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ مثلا قرآن حکیم کا ارشاد ہے:"وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ" حنفیہ اور شافعیہ کے مابین قروء کی تاویل میں اختلاف ہے۔ اول الذکر حیض اور ثانی طہر مراد لیتے ہیں۔ عمود اور نظام کلام کی روشنی میں اس فقہی اختلاف کو حل کیا جائے اور بتایا جائے کہ سورۃ کا عمود یہ بتاتا ہے کہ یہاں مراد طہر ہے یا قروء"۔[10]

اعتراض کا جائزہ

قرآن مجید میں نظم کے مختلف درجات وسطحات ہیں۔ الفاظ، جملے کی تالیف، سیاق وسباق، سورہ کا عمود اور سورتوں کی باہمی مناسبت یہ سب نظم قرآن کے متعدد پہلو ہیں۔ ان میں سے ہر پہلو معنی کے تعین یا تاویل آیات کے حوالے سے قطعیت کے مختلف مدارج رکھتا ہے۔ اس سے پہلے یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ سورہ کا عمود معنی کے تعین میں اضافی مرحلہ ہے۔ اکثر اوقات جملے کی تالیف اور سیاق سباق ہی نظم کی حیثیت سے فیصلہ کن ہو جاتے ہیں۔ مدرسہ فراہی کے علماء نے اپنی تفاسیر میں تصور نظم قرآن کو آخری درجے میں برت کر دکھا دیا ہے۔ لہذا یہ مطالبہ کہ اصول فقہ اور فقہ کا پورا مرتب نظام عمودوں کی روشنی میں پیش کیا جائے ایک غیر ضروری مطالبہ ہے۔ اس لیے کہ فقہ واحکام سے متعلقہ آیات کی تاویل مکتب فراہی کے علماء کی تفاسیر بلخصوص تدبر قرآن میں دیکھی جا سکتی ہے جو کہ نظم قرآن ہی کی رعایت سے لکھی گئی ہے۔ لہذا یہ ذمہ داری اصلاً نظم قرآن کے ناقدین پر عائد ہوتی ہے کہ وہ مجرد امکانات کو بیان کرنے کی بجائے مدرسہ فراہی کے علماء کی لکھی گئی تفاسیر میں سے کسی مقام کا انتخاب کرکے یہ ثابت کریں کہ فلاں مقام پر نظم کلام کی رعایت ملحوظ رکھنے کے باوجود ایک سے زائد معنی مراد لیے جا سکتے ہیں یا سورہ کے اندر پائے جانے والے فلاں فلاں قرائن وشواہد کی بنا پر بیان کردہ عمود درست نہیں ہے۔

آخر میں وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ کے حوالے سے یہ واضح کرتے چلیں کہ آیت کا سیاق وسباق قروء کے لفظ کو حیض کے معنی میں متعین کر دیتا ہے۔ سیاق میں مطلقہ عورتوں کی عدت زیر بحث ہے۔ آیت کے متصل بعد والی آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ مطلقہ عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جو کچھ اللہ نے ان کے رحم میں پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ عدت کا مقصود افشائے حمل ہے اور حمل کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ وہ حیض سے متعین ہوتا ہے۔ مزید برآں نظائرِ قرآن بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ سورہ طلاق میں ان عورتوں کی عدت بیان کی گئی ہے جنہیں حیض نہیں آتا۔ ان کے لیے حیض کی جگہ تین ماہ کے دورانیے کو بطور عدت متعین کیا گیا ہے۔ لہذا نظم قرآن (سیاق وسباق اور نظائر قرآن) سے یہ بات آخری درجے میں واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں لفظ قروء سے حیض کے سوا اور کوئی چیز مراد نہیں لی جا سکتی۔

مولانا ذکی الرحمٰن غازی مدنی صاحب کی تنقید

مکتبہ فراہی کے تصور نظم پر ہونے والی ایک تنقید یہ بھی ہے کہ نظم قرآن ایک ذوقی اور موضوعی چیز ہے جس کی بنیاد پر کہی گئی بات حتمی و قطعی نہیں ہو سکتی۔ مولانا ذکی الرحمٰن غازی مدنی صاحب رقم طراز ہیں:۔

نظم قرآن پر بے جا اصرار کے ساتھ تفسیر کرنے میں کچھ خامیاں ہیں۔ سب سے بڑی خامی تو یہ ہے کہ نظم قرآن ایک ذوقی اور موضوعی چیز ہے، اسے معروضی وخارجی اصول یا ضابطے کی شکل نہیں دی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ خود اللہ کے رسول ﷺ نے اور آپ کے جاں نثار صحابہ نے اس تعلق سے نہ خود زیادہ کھوج بین کی اور نہ امت کو کھوج کرید پر ابھارا۔ ہمیں اٹک اٹک کر ناظرہ قرآن پڑھنے پر اجر و ثواب کے تعلق سے تو متعدد حدیثیں مل جاتی ہیں، مگر نظم قرآن کی تلاش میں وقت لگانے کی فضیلت پر ایک کمزور یا موضوع حدیث بھی تلاش بسیار کے بعد نہیں ملتی۔ جواباً کہا جاسکتا ہے کہ نظم تو تدبر میں شامل ہے اور قرآن پر غور و فکر کی فضیلت میں جتنی آیات و احادیث اور آثار صحابہ آئے ہیں، ان میں ضمناً یہ بھی شامل ہے۔ اگر یہ کہہ دیا جائے تو بالکل درست ہے، مگر ساتھ ہی یہ اس بات کا ضمنی اعتراف بھی مانا جائے گا کہ نظم قرآن فی نفسہ کوئی قطعی اور فیصلہ کن چیز نہیں ہے، خالص جس کی بنیاد پر صحیح یا غلط کا محاکمہ کیا جائے اور اسے ایک مصدر تشریع بنادیا جائے۔ تدبر و تفکر ایک موضوعی خاصہ ہے جو ہر شخص کے تناظر میں مختلف رنگ و آہنگ اختیار کر سکتا ہے۔ اس طرزِ فکر کے خطرات کی وضاحت چنداں ضروری نہیں۔ چونکہ موضوعی منطق ہر فرد کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے، اس لیے عین ممکن ہے کہ میں کسی چیز کو قرآن میں نظم کا نام دوں اور دلیل یہ دوں کہ میں ایسا محسوس کرتا ہوں تو جواب یہ ملے کہ آپ محسوس کرتے ہوں گے، ہم تو محسوس نہیں کرتے۔[11]

اعتراض کا جائزہ

مذکورہ بالا تنقید میں نظم قرآن کو ذوقی اور موضوعی چیز قرار دیا گیا ہے۔ اقتباس میں یہ واضح نہیں کیا گیا کہ نظم قرآن سے کیا مراد ہے۔ نظم قرآن کی اصطلاح مختلف معنوں میں استعمال کی جاتی ہے۔ نظم قرآن کا ایک مطلب کلام میں جملے کی تالیف، متکلم کے اختیار کردہ لسانی اسالیب کی دلالت اور آیات کا سیاق وسباق ہوتا ہے۔ نظم قرآن سے مراد وسیع مفہوم میں قرآن مجید کے نظائر اور لسانی عرف بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح سورہ میں ایک عمود کے تحت ربط آیات اور ربط آیات سے آگے سورتوں کے مابین ربط و نظام کے تعلق کو بیان کرنے کے لیے بھی نظم قرآن کی تعبیر استعمال کرلی جاتی ہے۔ یہ اس اصطلاح کے مختلف مفاہیم ہیں۔ ہر مفہوم اپنی جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے نظم قرآن کو ذوقی و موضوعی قرار دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے یہ واضح کیا جائے کہ نظم قرآن کا کونسا پہلو ذوقی و موضوعی ہے۔ ہمارے خیال میں نظم قرآن کا وہ پہلو جس کا تعلق جملے کی تالیف، متکلم کے اختیار کردہ لسانی اسالیب کی دلالت اور آیات کے سیاق وسباق سے ہے قطعی ہے۔ بسا اوقات نظائر قرآن اور لسانی عرف کی بنیاد پر بھی آیات کا معنی قطعی طور پر متعین ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال میں لفظ قروء کے معنی پر بحث کی جا چکی ہے۔ جہاں تک سورتوں کی باہمی مناسبت اور ان کی ابواب بندی کی بات ہے تو قائلین نظم نے نظم قرآن کو اس معنی میں کبھی قطعی قرار نہیں دیا۔ ہمارے خیال میں یہ ایک علمی لطائف کی نوعیت کی چیز ہے۔ اصل چیز جو تعیین مدعا و مفہوم میں حتمی و قطعی حیثیت رکھتی اور مفسر کو ایک تاویل تک پہنچانے والی ہے وہ جملے کی تالیف، متکلم کے اختیار کردہ لسانی اسالیب، آیات کا سیاق وسباق اور بعض صورتوں میں سورہ کا عمود ہے۔

دوسری اہم بات جو اس ضمن میں کہی گئی ہے وہ یہ کہ نظم قرآن کا تعلق تدبر و تفکر سے ہے اور تدبر و تفکر ایک موضوعی خاصہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کلام میں تدبر و تفکر مسلمہ اصولوں کے تحت ہوتا ہے۔ قرآن کے کسی مقام پر نظم کے پائے جانے یا آیات و سور میں باہمی مناسبت کی دلیل محض یہ نہیں ہوتی کہ میں ایسا محسوس کرتا ہوں بلکہ کلام میں الفاظ، لفظوں کے

مقدرات، جملے کے دروبست اور متکلم کے اختیار کردہ لسانی اسالیب کو نظم و مناسبت کے حق میں بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔ کلام کے اندر معنوی مناسبتوں کی کچھ مخفی کڑیاں ہوتی ہے جو لفظوں کے پیچھے جھانکنے، جملوں کے دروبست کو سمجھنے، اسالیب کلام کی نزاکتوں کو پالینے اور کلام کے بہاؤ کو نگاہ میں رکھنے سے پڑھنے والے پر واضح ہوتیں ہیں اور کلام میں نظم ظاہر ہوتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً سورہ البقرہ میں بنی اسرائیل سے خطاب سے پہلے قصہ آدم و ابلیس بیان کیا گیا ہے۔ بادی النظر میں اس کی آگے کے مضمون سے کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ قصہ آدم و ابلیس جن الفاظ پر ختم ہوتا ہے وہ یہ ہیں۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہدایت کی پیروی کا تقاضا کیا گیا ہے۔ غور کیجیے تو اس خاتمے نے آگے بنی اسرائیل سے خطاب کا موقع پیدا کر دیا ہے۔ اولاً اس لیے کہ خدا کا آخری پیغمبر اس کی طرف سے ہدایت لے کر آچکا ہے۔ ان لوگوں کو آگے بڑھ کر سب سے پہلے اس ہدایت کو قبول کرنا چاہیے جو اس سے پہلے خدا سے اس کا عہد کر چکے اور اس کے منتظر بھی ہیں۔ ثانیاً اس لیے کہ قصہ آدم و ابلیس ان کے ہاں مسلمات کی حیثیت رکھتا ہے جس کی روشنی میں وہ اپنے اعمال و کردار کا جائزہ لے سکتے ہیں کہ انہوں نے فرشتوں کی سی روش اختیار کی ہے یا پھر ابلیس کی۔

احمد جاوید صاحب کی تنقید

احمد جاوید صاحب مکتبہ فراہی کے تصور نظم قرآن پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ تصورِ نظم ہمارے ذہن میں پیدا ہوا ہے ایک پیشگی تصور کی وجہ سے، وہ پیشگی تصور یہ ہے کہ کلام میں نظم ہونا چاہیے۔ کلام میں نظم و ربط ہونا چاہیے۔ اور ہم نے جو کتاب بھی پڑھی ہے اس میں تو نظم ہوتا ہے۔ اس پیشگی تصور نے یہ اکسایا کہ پھر قرآن میں بھی نظم ہو گا۔ ہم یہ نہ پرکھ پائے کہ نظم کا یہ تصور جو ہم قرآن میں دریافت کرنا چاہتے ہیں یہ تصور انسانی کلام سے پیدا ہوا ہے۔ کلامِ الٰہی کو اس تصورِ نظم کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے۔ اس پر میری رائے میں زیادہ بے تعصب ہو کر غور نہیں کیا گیا۔ وہ بھی ہم رفتہ رفتہ عرض کریں گے کہ کس طرح یہ تصورِ نظم، چاہے وہ کہیں بھی بیان ہوا ہے، قرآن فہمی کی واحد شرط بن جائے، یہ قرآن کے ساتھ ظلم ہے۔ یہ گویا میں اپنے ذہن کے قوانینِ فہم کو کلام اللہ پر وارد کر رہا ہوں۔ اسی وجہ سے میری رائے تاحال تو یہی ہے کہ یہ تصورِ نظم باہر سے وارد کیا گیا ہے قرآن پر۔ قرآن سے لیا نہیں گیا۔[12]

اعتراض کا جائزہ

مذکورہ بالا اقتباس میں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ نظم کا تصور انسانی کلام سے پیدا ہوا ہے اور باہر سے لا کر قرآن پر وارد کیا گیا ہے۔ ہم اس سے پہلے یہ واضح کر چکے ہیں کہ نظم کا ماخذ خود قرآن مجید ہے۔ مولانا فراہی نے اسے نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے کہ قرآن مجید بذاتِ خود نظم کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

إِنْ سَأَلْتَنِي عَنْ مَاخِذِ هَذَا الْعِلْمِ قَائِلاً بِأَنَّكَ تَصَدَّيْتَ لأَمْرٍ عَظِيمٍ وَ الْقَيْتَ دعوى كَبِيرَةً ، فَزَعَمْتَ إِنَّ فَهُمَ الْقُرْآنِ لَا يُمْكِنُ مِنْ غَيْرِ مَعْرِفَةِ نِظَامِهِ، وَكُلُّ مَا ذَكَرْتَ مِنَ الْحَاجَةِ الشَّدِيدَةِ وَالْفَوَائِدِ الكَثِيرَةِ وَالْمَطَالِبِ الْعَالِيَةِ الْمَطْوِيَّةِ فِي نظامه ، فَهَلْ تَدْعِي وَحْيا أَوْ الْهاماً ؟ فَتَقُومَ بِنُبُوَّةٍ جَدِيدَةٍ بَيْنَ لَنَا أَوَّلاً مَحَلَّكَ وَنَبِّئْنَا عَنْ مَقَامِ دَعْوَتِكَ حَتَّى نَتَهَيَّا لِسِمَاعِكَ۔ فَاعْلَمْ هَدَاكَ اللهُ وَأَرْشَدَكَ إِنِّي رَجُلٌ قَلِيلِ الْبِضَاعَةِ فِي الْعِلْمِ وَفِي

نَفْسِي أَحْقَرُ مِنْ أَيْسَرَ مَا ظَنَنْتَ . إِنَّمَا هُوَ الْقُرْآنُ الْكَرِيمُ نَفْسُهُ قَدْ دَلَّ عَلَى حُسنِ نِظَامِهِ ، فَلا أَطْلُبُ مِنْكَ تَقْلِيدًا أَوْ حُسْنَ اعْتِقَادٍ فِي۔[13] اگر تم مجھ سے اس علم کے ماخذ کے متعلق پوچھتے ہو یہ کہتے ہوئے کہ آپ ایک بڑے کام کے درپے ہوئے ہیں، اور آپ نے ایک بڑا دعوی کیا ہے، پھر آپ کا گمان یہ ہے کہ قرآن کا فہم نظام کی پہچان کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے اس کی شدید ضرورت، کثیر فوائد اور بلند معانی کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، کہ وہ سب اس قرآن کے نظام میں لپیٹا ہوا ہے، تو کیا آپ یہ دعوی وحی یا الہام سے کر رہے ہیں؟ کہ آپ ایک نئی نبوت کے ساتھ کھڑے ہو گئے ہیں؟ پہلے ہم پر اپنا مقام واضح کیجیے اور ہمیں اپنے دعوے کی حیثیت بتائیے تا کہ ہم آپ کو سننے پر آمادہ ہوں۔ تو جان لو، اللہ تمہیں رشد وہدایت دے، میں علم میں بہت تھوڑے سرمائے والا انسان ہوں، اور اپنے آپ میں، جتنا تم گمان کرو، اس سے بھی زیادہ حقیر ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خود قرآن حکیم ہے جو اپنے حسن نظام پر دلالت کرتا ہے۔ میں تم سے کسی تقلید یا اپنے اوپر کسی حسن اعتقاد کا مطالبہ نہیں کرتا۔

جس طرح یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید ایک انسانی زبان میں نازل ہوا ہے جسے سمجھنے کے لیے زبان و بیان کے وہی مسلمہ اصول لاگو ہوں گے جو کسی بھی متن کو سمجھنے کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید ایک کلام ہے اور نظم کلام کا جزوِلاینفک ہوتا ہے۔ کلام میں لفظ کی پوزیشننگ، جملے کا دروبست، بات کا محل اور اس کا سیاق وسباق یہ سب معنی کے تعین اور تفہیم مدعا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ خود قرآن ہے جو اپنی آیات وسور کے مابین پائے جانے والے ربط ونظام کو واضح کرتا ہے۔ جہاں تک متن پر اپنے ذہن کے قوانین فہم لاگو کرنے کی بات ہے تو انسانی دائرہ علم میں آنے والا ہر متن یا انسانی فہم سے متعلق ہونے والی کوئی بھی چیز انسانی ذہن کے قوانین فہم سے بالاتر کیسے ہو سکتی ہے؟ جب آپ قرآن میں نظم کے انکار کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسے بادشاہوں کے شاہانہ خطبات سے تعبیر کرتے ہیں تب آپ خود بھی اسے دُنیاوی بادشاہوں کے انداز کلام پر قیاس ہی کر رہے ہوتے ہیں۔ پھر دلچسپ بات یہ ہے کہ نظم قرآن ہی کیا فقہ و تفسیر کے سارے مباحث بھی متن قرآن پر انسانی ذہن کے قوانین فہم کے لاگو کرنے سے وجود میں آئے ہیں۔ یہاں تک کہ نظم قرآن کے انکار کرنے والے بھی قرآن کو سمجھنے کے لیے زبان و بیان کے ان مسلمہ اصولوں کی رعایت ملحوظ رکھنے پر مجبور ہیں جو اپنی حیثیت میں منصوص من اللہ نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ہمارے خیال میں نظم قرآن کو باہر سے لاکر قرآن پر وارد کرنے کا اعتراض اس حقیقت کو نظر انداز کرنے سے پیدا ہوتا ہے کہ کلام میں لائے جانے والے الفاظ اپنے کچھ مقدرات رکھتے ہیں۔ مقدرات وہ بنیادی تصوّرات ہوتے ہیں جن پر کلام استوار ہوتا ہے۔ جملوں اور اقتباسات میں نظم ومناسبت انہی مقدرات کلام پر مبنی ہوتی ہے۔ مثلاً غالب کا ایک مشہور شعر ہے۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

ان دو مصرعوں میں بظاہر کوئی ربط نہیں ہے۔ لیکن غور کیجیے تو دونوں باتیں ابن مریم کی مسیحائی کے تصور سے مربوط ہیں۔ یعنی یہاں ابن مریم کے بحیثیت مسیحا لوگوں کے دکھوں کا علاج کرنے کا تصور مقدر ہے۔ یہی معاملہ قرآن مجید میں آیات کے ساتھ بھی ہے۔ ہم یہاں اپنی بات کی وضاحت میں ایک آیت کو بطور مثال پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ[14]

آیت میں رحمت کے ذکر کے بعد قیامت کا ذکر ہے۔ دونوں جملے رحمت کے مقدر مفہوم کی بنا پر مربوط ہیں اور وہ مقدر مفہوم عدل ہے۔ رحمت الٰہی میں عدل کے مفہوم سے قیامت میں جزا و سزا کا ذکر رحمت سے متعلق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سورہ فاتحہ میں الرحمٰن الرحیم کے فوراً بعد مالک یوم الدین لایا گیا ہے۔ آیات کے مابین نظم و مناسبت کو خارجی تصور قرار دینے کی ایک دوسری وجہ ہمارے نزدیک قرآن مجید کے اسلوب بیان اور طرز استدلال سے ناواقفیت بھی ہے۔ قرآن اعلیٰ عربی زبان میں ہے اور اعلیٰ عربی زبان میں حذف و ایجاز کا اسلوب عام دیکھنے کو ملتا ہے۔ چناچہ قرآن میں بھی جگہ جگہ حذف و ایجاز کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن نے دیگر اسالیب بلاغت بھی اختیار کیے جو کہ اس کے بلیغ کلام ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً اعتراض، استدراک، التفات، تعریض، تغلیب، تمثیل، مشاکلہ، عود الی البدء وغیرہ۔ یہ متکلم کے اختیار کردہ اسالیب ہیں جن کی دلالت سے نظم کلام واضح ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید نے مختلف مقامات پر اپنے دعاوی کے حق میں استدلال کیا ہے۔اس عمل استدلال میں قرآن مجید اپنے مخاطبین کی رعایت سے دعوے اور دلیل کے تعلق کو لفظوں میں بیان نہیں کرتا۔ اولین مخاطبین کے لیے تو یہ چیز واضح تھی مگر آج ہمارے لیے زبان و بیان اور اس کے اسالیب سے ناواقفیت نظم کی داخلی حیثیت سے انکار کا باعث بن گئی ہے۔ مزید برآں قرآن مجید فطری طریقے پر استدلال کرتا ہے۔ یعنی اصل سے فرع، فرع سے اصل اور فرع سے دیگر فروع پر استدلال کرتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً۪-وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْۚ-فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔[15] آیت میں آثار ربوبیت سے توحید پر استدلال کیا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جس پروردگار نے تمہاری تربیت کے لیے یہ غیر معمولی اہتمام کر رکھا ہے وہی اس بات کا سب سے بڑھ کر مستحق ہے کہ اس کی بندگی بجا لائی جائے۔ اس تناظر میں دیکھیے تو آیت میں آثار ربوبیت کو بیان کرنے کے بعد شرک کی نفی کا ذکر بے جوڑ نہیں ہے بلکہ یہ فطری استدلال کے طریقے پر لوازم و مقتضیات کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ قرآن کی ہر سورہ کے ایک متعین نظم ہونے پر احمد جاوید صاحب فرماتے ہیں۔ "اس پر جو ہمارا تبصرہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ قرآن کی ہر سورہ کا ایک متعین نظم کلام ہے۔ اب ہماری رائے یہ ہے کہ یہ نظام متعین ہے تو اسے مخفی نہیں رہنا چاہیے۔ متعین ہمیشہ حالتِ اظہار میں ہوگا، حالتِ اخفاء میں نہیں ہوگا۔ حالتِ صراحت میں ہوگا، حالتِ ابہام میں نہیں ہوگا۔ اس کلام میں سب سے زیادہ ظاہر ہوگا۔ جو بھی اس کلام میں متعین ہے وہ اس کلام میں اظہارات میں سب سے زیادہ قوی اظہار کے طور پر موجود ہوگا کہ جو پہلی ہی نظر میں دکھائی دے گا۔ اس کیلئے تحقیق یا تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نظام اگر متعین ہے تو اسے ہر ایک پر، ہر قاری پر یکساں طور پر ظاہر ہونا چاہیے۔ یعنی یہ ثبوتِ وجودی کے طور پر ظاہر ہونا چاہیے۔ متعین کا مطلب یہ ہے کہ وہ ثابت فی الوجود ہے۔"

اعتراض کا جائزہ

مذکورہ بالا اعتراض کی بنیاد ایک عقلی مقدمہ ہے۔ وہ یہ کہ متعین چیز ظاہر و باہر ہوتی ہے اس کے لیے تحقیق و تفتیش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہمارے خیال میں یہ ایک کمزور سی بات ہے اس لیے کہ کتنی ہی چیزیں متعین ہونے باوجود پردہ اخفاء میں رہتی ہیں۔ مثلاً جن قوانین فطرت کو آج سائنس نے دریافت کر لیا ہے وہ روز اول ہی سے متعین ہیں۔ کسی خاص عہد میں ان کا معلوم ہونا یا

نہ ہونا ان کے تعین و عدم تعین سے تعلق نہیں رکھتا۔ پھر ہمارے ایمانی ڈسکورس میں کائنات کی سب سے متعین حقیقت خدا کی ذات ہے جو پردہ اخفاء میں رہتے ہوئے بھی ہمارے لیے متعین ہے۔ مزید بر آں مطالعہ قرآن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن میں ہر مقامات پر نظم مخفی نہیں ہے۔ اس حوالے سے مولانا اصلاحی رقم طراز ہیں۔

یہ بات اصول کی حیثیت سے پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس باب (نظم قرآن کے باب) میں ہمارا اصلی اعتماد نفس قرآن پر ہے۔ وہ بہتر سے بہتر صورت میں منظم ہے۔ یہ نظم، بعض مخصوص مقامات کے علاوہ، ایک صاحب نظر کے لیے ہر جگہ بالکل واضح ہے۔ جن مقامات پر حجاب ہے، وہاں ہم قرآن کے بجائے اپنی نگاہ کو متہم کرتے ہیں۔ نظم قرآن پر ہمارا عقیدہ خارجی دلائل پر قائم نہیں ہے، بلکہ اس کی بو ہم نے خود قرآن میں سونگھی اور یہی ہمارے پہلے قدم کی محرک ہوئی۔[16]

پروفیسر ڈاکٹر محمد شہباز منج (صدر شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور) کی تنقید

ڈاکٹر محمد شہباز منج صاحب کے نزدیک قائلین نظم قرآن بالخصوص مولانا امین احسن صاحب اصلاحی اور جاوید احمد صاحب غامدی نے اپنی تفاسیر تدبر قرآن اور البیان میں آیات کی باہمی مناسبت اور سورتوں کے ربط و نظام کو بیان کرتے ہوئے جگہ جگہ تکلف سے کام لیا ہے۔ ان کے نزدیک مکتبہ فراہی کے علماء قرآن کی آیات و سور میں جو نظم بیان کرتے ہیں اس طرح کا نظم دیوان غالب میں بھی نکال کر دکھایا جاسکتا ہے۔ دوسری اہم بات جو منج صاحب اس ضمن میں بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ قائلین نظم، قرآن مجید میں جس پیچیدہ نوعیت کے نظام کا دعوی کرتے ہیں اس کے حق میں دور اول سے خارجی شہادتیں پیش کی جانی چاہیں۔ یعنی قرآن مجید میں سورتوں کی جو ترتیب اختیار کی گئی ہے اس کی حکمت اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بیان ہونی چاہیے۔ مثلاً شارع کی طرف سے یہ بیان کیا جانا چاہیے تھا کہ سورہ البقرہ کے بعد سورہ آل عمران کو لانے کے پیچھے فلاں حکمت کارفرما ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حدیث و تاریخ کے ذخیرے میں ہمیں اس کی کوئی شہادت نہیں ملتی۔[17]

اعتراض کا جائزہ

مذکورہ بالا اعتراض میں جہاں تک نظم قرآن کے حوالے سے تفسیر قرآن میں جگہ جگہ تکلف سے کام لینے اور نظم کو خارج سے کلام پر مسلط کرنے کی بات ہے تو اس پر تنقید کا درست طریقہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ تدبر قرآن اور البیان میں سے قرآن مجید کے کسی ایک مقام کو نکال کر یہ دکھایا جائے کہ یہاں اصلاحی اور غامدی صاحبان نے تکلف برتا ہے اور اپنے تصورات کو خارج سے لاکر کلام پر مسلط کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی معاملہ سورتوں کے عمود، ان کے باہمی ربط اور ابواب بندی کا ہے۔ کسی عمود یا سابق و مابعد کی سورتوں سے سورہ کے ربط پر نظری تنقید کی بجائے متعین طور پر یہ بتایا جائے کہ مکتب فراہی کے علماء نے فلاں سورہ کا خودساختہ عمود بیان کردیا ہے۔ نظم کلام جیسا کہ ہم اس سے پہلے بھی عرض کر چکے ہیں اصلاً کلام کی مخفی کڑیوں، مقدر مقدمات کو کھولنے اور متکلم کے اختیار کردہ اسالیب کلام کی دلالتوں کو بیان کرنے کا نام ہے۔ انھی بنیادوں پر آیات باہم دگر مربوط ہوتیں، ایک عمومی اور جامع نوعیت کے عمود کے تحت سورہ کی وحدت میں ڈھلتیں اور سورتیں اپنے مضامین کی مناسبت سے سابق و لاحق کی سورتوں سے متعلق ہوتی چلی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن مجید ایک منظم کتاب کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتا اور علامہ زمخشری کے الفاظ میں مخالفین کی عقلوں کو معجز کردیتا

ہے۔[18] دوسرا اعتراض اس ضمن میں سورتوں کی باہمی ترتیب و مناسبت میں کارفرما حکمت کی دور اول میں کوئی خارجی شہادت موجود نہ ہونے کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ واقعاتی لحاظ سے تو یہ بات درست ہے کہ ہمیں قرآن مجید کے نجمًا نجمًا نازل ہونے کی حکمت کا بیان تو خود قرآن میں مل جاتا ہے لیکن عرضہ اخیرہ کے بعد اختیار کی جانے والی ترتیب آیات و سور کی حکمت کا ذکر قرآن و حدیث میں کہیں نہیں ملتا۔ لیکن سورتوں کی ترتیب میں کارفرما حکمت کے بیان نہ ہونے سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ سورتوں کو ترتیب دینے میں کوئی حکمت سرے سے پیش نظر ہی نہیں ہے۔ اس لیے کہ کسی چیز کا عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں ہوتا۔ اس کے جواب میں اگر یہ کہا جائے کہ سورتوں کی ترتیب اگر اتنی ہی اہم ہے کہ تعیین مدعا و مفہوم پر اثر انداز ہوتی ہے تو اس کی اہمیت کے پیش نظر یہ ضروری تھا کہ شارع اسے لفظوں میں بیان کرے۔ اس ضمن میں ہم یہ کہیں گے کہ شارع نے قرآن مجید سے اخذ ہدایت اور حصول نصیحت کے لیے تفکر و تدبر کو ضروری قرار دیا ہے۔ جب ہم نظم یا سورتوں کی ترتیب میں کارفرما حکمت کی بات کرتے ہیں تو سورتوں کے مضامین پر تدبر کر کے شارع کے اسی حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور آیات و سور میں پائی جانے والی ترتیب و مناسبت کی بنیاد درحقیقت کلام کے داخلی قرائن ہوتے ہیں۔ متکلم نے اپنے کلام میں جگہ جگہ وہ قرائن و شواہد جمع کر دیے ہیں جو سورتوں کی ترتیب میں کارفرما حکمت کو ہم پر بے نقاب کر دیتے ہیں۔ یہی معاملہ پورے دین کی حکمت اور فلسفے کو بیان کرنے کا ہے۔ قائلین نظم بالخصوص اصلاحی اور غامدی صاحبان پر چونکہ یہ تنقید کی جاتی ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر میں نظم کلام کو برتنے میں جگہ جگہ تکلف سے کام لیا ہے۔ اس لیے آخر میں ہم سورہ کوثر کو بطور مثال پیش کریں گے اور یہ دکھانے کی کوشش کریں گے کہ نظم کس طرح خود سورہ کے اپنے الفاظ و قرائن کی دلالت سے واضح ہوتا چلا جاتا ہے۔ اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ﴿۲﴾ اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ ﴿۳﴾ ہم نے یہ خیر کثیر تمھیں عطا کر دیا ہے، (اے پیغمبر)، اِس لیے تم (اِس بیت عتیق میں اب) اپنے پروردگار کی نماز پڑھنا اور اُسی کے لیے قربانی کرنا۔ اِس میں شبہ نہیں کہ تمھارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے، اُس کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔

پہلی آیت میں کوثر کے بعد نماز اور قربانی کے ذکر کو لانے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کوثر کا مصداق کوئی ایسی چیز ہونی چاہیے جو ان دونوں یعنی نماز اور قربانی سے متعلق ہو۔ لہذا یہ بات قطعی ہے کہ یہ بیت اللہ ہے جہاں نماز و قربانی جمع ہو جاتی ہے۔ مزید برآں جس ماحول میں یہ سورہ نازل ہوئی ہے اس وقت بیت اللہ پر قریش کا قبضہ تھا۔ جنہوں نے اسے شرک و بت پرستی کا گڑھ بنا کر رکھ دیا تھا۔ اس تناظر میں یہ بشارت دی جا رہی ہے کہ یہ بیت اللہ ہم عنقریب تمہیں عطا کرنے جا رہے ہیں۔ انا اعطیناک میں تاکید اور ماضی کا صیغہ اظہار قطعیت کے لیے ہے۔ یعنی گویا یہ کام ہو چکا۔ آگے فصل لربک وانحر اس عطیہ خداوندی کے تقاضے کے طور پر بیان ہو رہا ہے۔ یعنی اب اس کے حق کے طور پر اس بیت عتیق میں اپنے پروردگار ہی کے لیے نماز پڑھو اور اسی کے لیے قربانی کرو۔ آخر میں ان شانئک ھو الابتر کے الفاظ مخالفتوں کے ہجوم میں غلبے کی بشارت کو بیان کر رہے ہیں جو حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ اس ساری گفتگو کی روشنی میں نہ صرف سورہ کا نظم واضح ہوتا ہے بلکہ کوثر کا ایک معنی و مصداق قطعی طور پر متعین ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہاں اگر کوثر کا کوئی دوسرا مفہوم مراد لینا چاہے تو اسے اپنے بیان کردہ مفہوم کو اسی اصول پر کوالیفائی کر کے دکھانا چاہیے۔ اس لیے کہ سورہ میں الفاظ کا انتخاب اور آیات کی ترتیب من جانب اللہ ہونے کی حیثیت سے قطعی ہے۔

خلاصۂ بحث

مکتب فراہی کے تصور نظم قرآن پر کی جانے والی تنقیدات کا تجزیاتی مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولاً یہ تمام تر تنقیدات اپنی نوعیت میں اصولی ہیں اور ثانیاً یہ اصلاً تصور نظم کو برتنے سے پیدا ہونے والے نتائج فکر سے متعلق ہیں۔ اعتراضات کا محور یہ ہے کہ تصور نظم کو باہر سے لاکر قرآن پر وارد کیا جارہاہے۔ نظم باہر سے لاکر قرآن پر وارد کیا گیاہے۔ یہ ایک دعویٰ ہے۔ اس کی دلیل ہمارے نزدیک یہی ہوسکتی ہے کہ قرآن کے کسی مقام کو متعین طور پر پیش کیاجائے جہاں ناقدین کے خیال میں تکلف برتا گیاہے یا اس مقام پر آیات کا جو نظم بیان کیا گیاہے اور سورہ کا جو عمود متعین کیا گیاہے اس کو کلام میں الفاظ، جملے کی تالیف، سیاق وسباق اور سورہ کا مجموعی نظام قبول کرنے سے انکار کررہاہے۔ اب تک کی تنقیدات میں ہماری نظر سے ایک بھی تنقید ایسی نہیں گزری جس میں عملی طور پر یہ دکھایا گیاہو۔ لہذا ہم اپنے فہم اور مطالعے کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قرآن مجید میں نظم پایاجاتاہے جوپڑھنے والے کوایک تاویل تک پہنچانے کاایک محکم اور قطعی ذریعہ ہے۔

مراجع

[1] محمد بن مکرم بن علی بن احمد ابن منظور، لسان العرب (قم، ایران: نشرادب الحوزۃ، محرم ۱۴۰۵ھ)، مادۃ: نظم

[2] عبد الحمید فراہی الھندی، دلائل النظام (المطبعۃ الحمیدیہ، ۱۳۸۸ھ)، ۷۵

[3] فراہی، دلائل النظام، ۷۵

[4] امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر قرآن (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، اکتوبر ۲۰۱۳ء)، ۱۹۴، ۱۹۵

[5] امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، نومبر ۲۰۰۹ء)، ۲۴

[6] اصلاحی، مقدمہ تدبر قرآن، جلد اول

[7] ڈاکٹر عثمان احمد، مباحث علوم القرآن (عکس پبلیکشن، ۲۰۱۸ء)، ۲۵۰

[8] ڈاکٹر عثمان احمد، مباحث علوم القرآن، ۲۵۰، ۲۵۱

[9] ڈاکٹر عثمان احمد، مباحث علوم القرآن، ۲۵۲

[10] ڈاکٹر عثمان احمد، مباحث علوم القرآن، ۲۵۲

[11] مولانا ذکی الرحمٰن غازی مدنی، نظم قرآن پر اصرار: ایک جائزہ

https://mazameen.com/%D

[12] مکتب فراہی کے نظم قرآن پر احمد جاوید صاحب کی تنقیدی گفتگو، ناقل ومحرر: محمد اسامہ، نظر ثانی وتصحیح: زید حسن

https://www.ghamidi.org

[13] فراہی، دلائل النظام، ۲۷، ۲۸

[14] الانعام ۶:۱۲

[15] البقرہ ۲:۲۱، ۲۲

[16] امین احسن اصلاحی، مقالات اصلاحی (ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، جولائی ۱۹۳۶ء)، ۲/۵۳-۶۵۔

[17] ڈاکٹر محمد شہباز منج صاحب سے نجی طور پر ہونے والی گفتگو سے ماخوذ، مورخہ ۵ نومبر ۲۰۲۴ء۔

[18] حافظ فدا حسین، "اصول تفسیر میں نظم قرآن کی روایت کا تاریخی و تحلیلی جائزہ" (مقالہ ایم فل؛ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۲ء)، ۱۳۱، ۱۳۲۔